ختمِ قرآن پر بیان

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّاٰتِ اَعْمَالِنَا مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِکَ فَلْیَفْرَحُوْا ھُوَ خَیْرٌ مِّمَّا یَجْمَعُوْنَ (سورۂ یونس: 58) وَقَالَ تَعَالٰی فِیْ مَقَامٍ آخَرَ: بَلْ ھُوَ قُرْآنٌ مَّجِیْدٌ، فِیْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (سورۂ بروج: 22+21)

وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: تَبَرَّکْ بِالْقُرْآنِ فَاِنَّہٗ کَلَامُ اللّٰہِ. (کنز العمال: 265/1 رحمانیہ)

صَدَقَ اللّٰہُ مَوْلَانَا الْعَظِیْمُ وَصَدَقَ رَسُوْلُہُ النَّبِیُّ الْکَرِیْمُ وَنَحْنُ عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ وَالشَّاکِرِیْنَ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ.

ختمِ قرآن کے وقت دُعا قبول ہوتی ہے:

واجب الاحترام سامعین کرام! اللہ کریم کا کرم ہے کہ تراویح میں قران کریم ختم ہوا۔ اور ختم قران، تراویح میں ہو یا تلاوت میں ہو یا حفظ کر کے ہو یا ناظرہ پڑھ کر ہو یہ درحقیقت قبولیت دعا کی گھڑی ہوتی ہے۔ بعض روایات سے ثابت ہے کہ اللہ کریم اس وقت دعا قبول فرماتے ہیں، اگرچہ ان روایات پر کچھ کلام بھی ہے مگر فضائل میں ان کو بیان کیا جاسکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کا معمول:

آپ ﷺ کے خادم خاص، حضرت انس ؓ جنہوں نے 10 سال آپ ﷺ کی خدمت کی، سفر و حضر اور خلوت و جلوت میں وہ حضور ﷺ کے خادم رہے، ان کا معمول مبارک تھا کہ جب بھی دوران سال تلاوت میں ان کا قرآن کریم ختم ہوتا تو اپنے اہل و عیال کو جمع کرتے اور فرماتے:

"عِنْدَ كُلِّ خَتْمَةٍ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ" ہر ختم قرآن کے وقت دعا قبول ہوتی ہے

(حلیۃ الاولیاء: 260/7، دار الکتب) اور پھر دعا فرماتے۔ اسی طرح حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "مَنْ خَتَمَ الْقُرْآنَ فَلَهُ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ" (المعجم الکبیر: 329/7، دار الکتب) یعنی جو آدمی قرآن کریم ختم کرے تو اس کی دُعا قبول ہوتی ہے۔

اور آج بھی قرآن کریم کا ختم ہوا ہے، لہذا قبولیت کی اس گھڑی میں ہم بھی مل کر دعا کریں گے تا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمارے مقاصد کی بھیک عطا کر دیں۔

اللہ کا پہلا عظیم الشان انعام:

لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایک تو اس مہینے میں اللہ کریم کے ہم پر کچھ خاص انعام و احسان ہوئے اور دوسرا اس وقت جو قرآن کریم کی تکمیل کا انعام ہوا، ان سے متعلق کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ اللہ کریم کا ہم سب پر یہ کرم ہوا کہ اس نے ہمیں رمضان کی ان گھڑیوں تک پہنچا دیا، ہمیں یہ رمضان پھر سے نصیب ہو گیا۔ کتنے لوگ ایسے ہیں جنہیں پچھلے سال رمضان کی دولت نصیب تھی، لیکن اس سال وہ ہم میں نہیں ہیں۔ رمضان کی گھڑیاں نصیب ہو جانا، یہ اللہ کریم کا عظیم الشان احسان ہے۔

اور حقیقت یہ ہے کہ رمضان ہم جیسے سیاہ کاروں کے لیے اللہ کریم کی رحمتوں کا موسم بہار ہوتا ہے۔ اللہ کریم ہمیں وہ نظریں عطا کر دے جن سے ہم اس مہینے میں ہونے والی رحمتوں اور انوارات و برکات کی بارشوں کو دیکھ سکیں۔ میرے اور آپ کے آقا حضور نبی کریم ﷺ نے اس مہینے

کی ساری برکتیں اور رحمتیں اپنی آنکھوں سے دیکھی ہیں، اس لیے آپ اس ماہ کے مشتاق رہتے تھے۔

حضور ﷺ کا اشتیاقِ رمضان:

چنانچہ آپ ﷺ رمضان سے دو ماہ پہلے ایک دعا مانگتے تھے: "اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ" اے اللہ! آپ نے مجھے رجب کا چاند دکھادیا، اب رجب اور شعبان میں میری زندگی میں برکت رکھ دیجیے، اور مجھے رمضان تک پہنچا دیجیے۔ (المعجم الاوسط:558/4، المعارف)

یعنی اگر آپ کے پاس آنے کا فیصلہ ہے تو اس فیصلے کو موٴخر فرمادیجیے۔ یہ وہ ہستی دعا کررہی ہے جس ہستی نے کبھی بھی اس دنیا کی زندگی کی تمنا نہیں کی، وہ تمنا کرتی بھی کیسے؟ جن کے لیے جنت سجی ہے، جن کے لیے یہ کائنات سجی ہے، جنت کی تمام نعمتیں پلکیں بچھا کر ان کا انتظار کررہی ہیں اور معراج میں وہ جنت کے تمام بالاخانے و درجات پاؤں سے روند کر ان سے اوپر گئے ہیں، اپنی آنکھوں سے اللہ کے وہ سارے انعامات دیکھے ہیں، جو جنت میں ہیں، وہ نعمتیں دیکھی ہیں جو جنت میں ہیں، جن کے متعلق حدیث پاک میں آتا ہے:

"مَالَا عَیْنٌ رَأَتْ وَلَا اُذُنٌ سَمِعَتْ وَلَا خَطَرَ عَلٰی قَلْبِ بَشَرٍ" کہ جن نعمتوں کو کسی آنکھ نے دیکھا نہیں، کسی کان نے سنا نہیں، کسی بشر کے دل پر ان کا گزر نہیں ہوا۔ (بخاری:574/1، رحمانیہ)

اس دنیا میں اس کی کوئی مثال بھی نہیں ہے، حضور نے ان سب کو دیکھا ہے بلکہ اُس جگہ تک گئے ہیں جہاں آپ کے علاوہ کوئی اور نہیں جاسکتا تھا۔ قرآن کریم میں اللہ کریم نے ارشاد فرمایا: "فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی" (سورۃ النجم: 9) ایک تفسیر کے مطابق اس کا مطلب ہے کہ میرے اور میرے محبوب کے درمیان ایک یا دو کمان کا فاصلہ تھا۔

رمضان جنت سے بھی بڑی نعمت:

لیکن جب رجب کا چاند دیکھتے تو دل مچل اٹھتا، بے ساختہ زبان پر یہ دعا آجاتی۔ اے اللہ! اگر میرے لیے جنت جانے کا فیصلہ ہے تو اسے موٴخر فرما کر مجھے رمضان تک پہنچادے۔ اس

سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ رمضان، جنت سے بھی بڑی نعمت ہے۔ اگر جنت سے بڑی نعمت نہ ہوتی میرے اور آپ کے آقا حضور نبی کریم ﷺ جنت کو چھوڑ کر اللہ کریم سے رمضان نہ مانگتے، حالانکہ ہمارے محبوب جنت چھوڑ کر رمضان مانگ رہے ہیں۔ کاش! ہمیں بھی وہ آنکھیں نصیب ہوں، ہمیں بھی وہ دل نصیب ہو، جو یہ سارے انوارات دیکھ سکے۔

آپ ﷺ رمضان کیوں مانگ رہے ہیں؟ تو اس پر میں عرض کرتا ہوں، کہ شاید اس مہینے میں اللہ کریم کی جو تجلیات، کرہ ارض پر اترتی ہیں، جو انوارات و برکات اس کرہ ارض پر ٹوٹتے ہیں شاید وہ جنت میں بھی نصیب نہ ہوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو آپ ﷺ یہ رمضان نہ مانگتے بلکہ جنت مانگ لیتے۔ اللہ کریم کا کتنا بڑا احسان ہے کہ ہمیں بن مانگے، بغیر دعا کے، بغیر التجا کے رمضان کی گھڑیاں عطا کر دی ہیں، اللہ ہمیں ان کی قدر کی توفیق عطا فرمائے۔

بھوک پیاس کو بوجھ نہ سمجھیں:

یہ رمضان کسی دل پر، کسی دماغ پر، کسی جسم پر بوجھ نہ ہو۔ جب یہاں کی آنکھ بند ہوگی اور آگے کی آنکھ کھلے گی تب پتا چلے گا کہ یہ کیا دولت تھی اور یہ کیا خزانہ تھا؟ رمضان کی بھوک اور پیاس پر وہ مالک کیا عطا کرنے والے ہیں یہ بھی ابھی تک کسی کے دل و دماغ میں گزرا نہیں ہے۔ ارے بھائیو! ایک ماں اپنے بچے کو بھوکا پیاسا تڑپتا نہیں دیکھ سکتی ہے، اگر ماں نہیں دیکھ سکتی تو جو لاکھوں ماؤں سے زیادہ رحیم ہے وہ ذات بندے کو تڑپتا دیکھ سکتی ہے؟ اس ذات کے لیے روزہ رکھ کر تو دیکھو، اس کے لیے بھوک پیاس برداشت کر کے تو دیکھو، پھر دیکھنا وہ کیسے نوازتا ہے۔

شرابِ محبت اور جنت کے کھانے:

حقیقت یہ ہے کہ ان کے لیے بھوک پیاس برداشت کریں گے، روزہ رکھیں گے، تو اللہ تعالیٰ ان ظاہری راستوں سے نہیں، بلکہ خفیہ راستوں سے شربت وصال پلائیں گے، جنت کے کھانے کھلائیں گے۔ آپ خلوص نیت کے ساتھ، ان کی رضا کے لیے روزہ رکھ کر تو دیکھیں، صبح سے تجربہ کریں، دن جتنا بھی گرم ہو، آپ کو محسوس ہوگا جیسے ابھی شراب محبت پی ہے، ابھی جنت کے

کھانے کھائے ہیں۔ ایسا نہیں کہ منہ کے راستے، پیٹ میں ڈالو گے تو پیٹ بھرے گا، بلکہ میرا مالک اس کے بغیر بھی آپ کو سیراب کر سکتا ہے، میرا مالک قربانی کا جذبہ دیکھنا چاہتا ہے، مت ڈرا کریں رمضان سے۔ میں سمجھتا ہوں بڑے بدنصیب ہیں وہ لوگ جن کو رمضان بوجھ محسوس ہوتا ہے۔ ابھی تک ان کو پتا ہی نہیں اس رمضان میں ہے کیا:

ع لطفِ مے، میں تجھ سے کیا کہوں زاہد! ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

ظاہری بھوک پیاس کے اندر کیا کچھ چھپا ہوا ہے، ہمیں اس کا اندازہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ قربانی کا جذبہ دیکھتے ہیں

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ:

اس کی ایک مثال آپ کے سامنے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ ان سے بیٹے کی قربانی مانگی گئی، انہوں نے منیٰ میں جا کر بیٹے کو لٹا دیا، چھری تیز کر لی، گردن پر پھیرنا شروع کر دی۔ اس حد تک اللہ اپنے بندے کا جذبہ دیکھتے ہیں، کہ اندر سے واقعتاً میرے لیے قربانی کو تیار ہے، لیکن یاد رکھو! قربانی لیتے نہیں ہیں۔ گردن پر چھری رگڑی تو پھر کیا ہوا؟ اسماعیل تو ذبح نہ ہوئے، جنت سے مینڈھا بھیج دیا گیا۔ قرآن کہتا ہے "وَفَدَيْنَاهُ بِذِبْحٍ عَظِيمٍ" (سورۂ صافات: 107) ہم نے جنت سے مینڈھا بھیج دیا، اسماعیل علیہ السلام کی جگہ وہ ذبح ہوا۔ اللہ نے بیٹے کے ذبح ہونے کا اجر عطا کیا۔ دیکھیے اللہ تعالیٰ قربانی مانگتے نہیں بس قربانی کا جذبہ دیکھتے ہیں۔

نمرود کی آگ:

دوسری مثال لے لیجیے، نمرود حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہتا تھا یا تو اپنی بات چھوڑ دو، یا پھر تمہارے لیے یہ چِتا تیار ہے۔ چنانچہ منجنیق میں ڈال دیے گئے، تفاسیر میں لکھا ہے کہ اس آگ کی تپش اتنی زیادہ تھی کہ اس کے اوپر سے فضاء کے اندر کوئی پرندہ گزرتا تو وہ جل جاتا۔ (تفسیر قرطبی: 303/11 دار احیاء تراث) لیکن ابراہیم علیہ السلام نہیں گھبرائے، کیونکہ شراب محبت پی رکھی تھی، عشق کا صرف دعویٰ نہیں تھا بلکہ وہ حقیقی عاشق تھے اور عاشق کبھی انجام نہیں دیکھا کرتا، عاشق محبوب کا حکم

دیکھا کرتا ہے، عاشق اگر انجام پر نظر رکھے تو وہ سچا عاشق نہیں ہو سکتا۔

ع جو آغاز میں فکر انجام ہے تیرا عشق شاید ابھی خام ہے

ابراہیم علیہ السلام نے یہ نہیں سوچا کہ آگ کے اندر جا کر کیا ہوگا۔ جبریل نے آکر کہا بھی کہ ابراہیم! کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟ فرمایا: چلے جاؤ تمہاری مدد کی ضرورت نہیں، جس کے لیے کر رہا ہوں وہ دیکھ رہا ہے۔ فرشتے سے بھی مدد لینا انہوں نے اِسْتِعَانَتْ بِالْغَیْرْ (اللہ کے علاوہ کسی سے مدد لینا) سمجھا، جب آگ کے اندر گئے تو پھر کیا ہوا، آگ کو اللہ نے گلزار بنا دیا، وہ جنت کا باغ بن گئی۔ بس اللہ کریم اندر کا جذبہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ جب اس سطح تک انسان پہنچ جاتا ہے تو وہ تیار ہو جاتا ہے۔ میرا مالک کبھی قربانی لیتا نہیں بلکہ جذبہ دیکھتا ہے، اسی جذبے پر ہماری نجات کا اور روحانی درجات کا سارا مدار ہے کہ کون ہمت والا ہے جو قدم آگے بڑھاتا ہے؟ ہم تو قسمت کے سکندر ہیں جن کو رمضان کی یہ ساعات نصیب ہو گئیں۔ اللہ کریم کا ہم سب پر یہ احسان ہے۔

دوسرا بڑا انعام:

اور اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں روزہ رکھنے کی توفیق نصیب فرمائی یہ بھی اللہ کا عظیم الشان انعام واحسان ہے۔

حدیث پاک میں آتا ہے: "مَنْ صَامَ رَمَضَانَ اِیْمَانًا وَّاحْتِسَابًا غُفِرَ لَهٗ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" (بخاری: 67/1، رحمانیہ)

ایک دن روزہ رکھ کر صبح سے شام تک کی پیاس برداشت کرنے والے سے متعلق حضور ﷺ یہ فرما رہے ہیں کہ جس نے اپنے اندر کا یہ جذبہ دکھا دیا، اللہ کے لیے صبح سے شام تک پیاس برداشت کر لی، تو اللہ تعالیٰ اس کے سابقہ سارے گناہ معاف کر دیں گے۔ وہ تو اتنی رحیم ذات ہے کہ اتنی چھوٹی سی قربانی پر اتنا بڑا انعام دے رہی ہے۔

پھر حدیث قدسی ہے جس میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں: "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اَجْزِیْ بِهٖ" (بخاری: 672/2، رحمانیہ)

بندہ چونکہ روزہ میرے لیے رکھتا ہے، اس لیے اس کی جزا بھی میں خود اپنے ہاتھ سے عطا

کروں گا، بقیہ اعمال کی جزا دینے پر اللہ کے فرشتے مقرر ہوں گے لیکن روزے کی جزا اور بدلہ خود اللہ کریم اپنے ہاتھ سے عطا فرمائیں گے۔

ذرا کچھ دیر کے لیے سوچیے! تصور کیجئے کہ جب وہاں اولین و آخرین سب جمع ہوں گے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر قیامت کی صبح تک آنے والے انسان اور ان میں امام الانبیاء، اشرف الانبیاء، سرکار دو عالم ﷺ کی ذات گرامی بھی موجود ہوگی، وہاں نام پکارا جائے گا کہ فلاں آئے اور اللہ کریم کے ہاتھ سے اپنے روزے کا انعام لے لے۔تو کیسی خوشی کا سامان ہوگا؟ یہاں اس دنیا میں کسی D.C سے مصافحہ ہو جائے، کمشنر سے سلام ہو جائے، اس کی تصویریں بنا کر لگا رکھی ہوتی ہیں، اور کہا جاتا ہے کہ یہ فلاں بڑے سے ہمیں انعام ملا ہے۔ سوچو! جو بادشاہوں کا بادشاہ ہے، احکم الحاکمین ہے، اس کے ہاتھ سے اتنے بڑے مجمع میں جب اس روزے کا انعام دیا جائے گا تو یہ کتنا بڑا اعزاز ہوگا!!! پھر اس حدیث کے متعلق محدثین نے فرمایا: کہ اس کو یوں بھی پڑھا جاسکتا ہے: "اَلصَّوْمُ لِیْ وَاَنَا اُجْزٰی بِہٖ" بندہ روزہ میرے لیے رکھتا ہے، تو بدلے میں، مَیں خود ہی اسے مل جاتا ہوں۔ یہ تو حد ہی ہوگئی۔ کہ چونکہ صبح سے شام تک بندہ میرے لیے بھوک اور پیاس برداشت کر رہا ہے، اس لیے، بس ایک دن کی قربانی کے بدلے میں خود ہی اُسے مل جاتا ہوں۔ کتنی بڑی عطا ہے جو اللہ تعالیٰ ایک روزے پر عطا کرتے ہیں۔تو عرض یہ کر رہا تھا کہ یہ دوسرا بڑا انعام ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں روزہ رکھنے کی توفیق عطا فرمائی۔

تیسرا بڑا انعام:

تیسرا بڑا انعام تراویح اور تراویح میں قرآن کریم کا پڑھنا اور سننا ہے۔ تراویح دیکھنے میں بیس رکعات ہیں اور گھنٹہ، سوا گھنٹہ کی مشقت ہے لیکن درحقیقت یہ بھی اللہ کریم کا بہت بڑا احسان و انعام ہے۔ بیس تراویح میں چالیس سجدے ہیں۔ اور ایک سجدے سے کیا ملتا ہے؟

حدیث پاک میں ہے کہ بندہ کسی بھی حالت میں اللہ کے اتنے قریب نہیں ہوتا جتنا سجدہ کی حالت میں ہوتا ہے۔ (مسلم: 232/1، رحمانیہ)

یعنی سجدہ اللہ کے قرب اور نزدیکی کی انتہاء ہے۔ قاری صاحب نے آج جو آیت پڑھی ہے اور سجدہ کیا ہے، اس میں بھی یہی راز بتایا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے محبوب سے فرماتے ہیں: "وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ" اے حبیب! سجدے میں سر رکھ کر میرے پاس اور میرے قریب آجائیے۔ (سورۃ العلق: 19) یہ اللہ تعالیٰ اپنے لاڈلے حبیب کو ملاقات کا طریقہ بتلا رہے ہیں۔ یہ سجدہ اتنا قیمتی ہے کہ بس اس میں قرب کی انتہاء ہے۔ اس میں بندہ اپنی جبین غرور کو جبین نیاز سے بدل دیتا ہے۔

اُمتی کی معراج:

کاش! کہ یہی سوچ کر سجدہ کیا جائے، سجدہ کے وقت بندہ براہ راست اللہ کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ بس اللہ ہم سے اتنا ہی دور ہیں کہ ہم اپنی اس جبین غرور کو جبین نیاز سے بدل دیں، سجدے میں سر رکھ دیں، جب ہم سجدہ کرتے ہیں تو یہ سر جو ہم نے یہاں رکھا ہوتا ہے، یہ اس قالین پر نہیں، اس فرش پر نہیں، اس چٹائی پر نہیں، اس زمین پر نہیں بلکہ عرش پر رکھا ہوتا ہے۔

پیارے آقا حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "وَالسَّاجِدُ يَسْجُدُ عَلٰى قَدَمَيِ اللّٰهِ" سجدہ کرنے والا اللہ کے قدموں پر سجدہ کر رہا ہوتا ہے۔

(کنز العمال: 118/7، رحمانیہ)

تو جس دم بندہ سجدہ کرتا ہے، وہ فوراً اللہ تعالیٰ کے قدموں تک پہنچ چکا ہوتا ہے اور جب انسان رحمٰن کے قدموں تک پہنچ چکا ہوتا ہے تو پھر اس سے زیادہ قرب اور کیا ہوگا۔ حضور نبی کریم ﷺ کا جو معراج تھا اس کے بارے میں قرآن کریم یوں کہتا ہے: "فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى" (سورۃ النجم: 9) کہ میرے اور حبیب کے درمیان، ایک کمان یا دو کمان کا فاصلہ تھا، اور یہاں سجدے سے متعلق پیارے آقا کریم ﷺ فرما رہے ہیں کہ سجدہ کرنے والا رحمٰن کے قدموں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ اس قرب کی انتہاء ہے اور یہ معراج کا متبادل اللہ تعالیٰ نے اس امت کو عطا کیا ہے۔ حضرت مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمہ اللہ، کراچی میں بڑے اللہ والے گزرے ہیں، ان کا شعر ہے:

ع اے دوست! جب ایام بھلے آتے ہیں گھات ملنے کے خود آپ ہی بتاتے ہیں

خود آپ ہی بتاتے ہیں کہ ہم سے ملاقات کا طریقہ یہ ہے، کسی خلوت میں جانے کی

ضرورت نہیں ہے، کہیں چھپ کر ملاقات کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس پیشانی کو زمین پر ٹیک دو، بس وہیں ملاقاتیں اور راز و نیاز شروع ہو جائے گی۔ یہ جو سجدہ ہے، یہ رحمٰن کے قدموں پر ناک رگڑنے کا نام ہے۔ جس وقت بندہ سجدہ کر رہا ہوتا ہے اس وقت بندہ رحمٰن کے قدموں پر اپنا ناک اور پیشانی رکھ کر رگڑ رہا ہوتا ہے اور کہہ رہا ہوتا ہے "سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ بندہ یہ کہہ رہا ہوتا ہے کہ اے اللہ! کبھی کبھی ہمیں خیال آجاتا ہے کہ ہم بھی بڑی چیز ہیں لیکن تو ہی سب سے اعلیٰ اور بلند ہے۔ "سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" پاک ہے میرا پروردگار جو سب سے اعلیٰ اور برتر ہے۔ اس سے بڑی ہستی اس کائنات میں اور کوئی نہیں۔ اللہ سے اونچا اور کوئی نہیں، جس کے لیے میں یہ نماز اور ذکر چھوڑ دوں۔ فرمایا: جس وقت بندہ سجدے میں سر رکھ کر یوں کہہ رہا ہوتا ہے: "سُبْحٰنَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی" اُس وقت وہ فرشی نہیں رہتا بلکہ عرشی ہو جاتا ہے۔ ایک منٹ میں فرش سے عرش پر پہنچ جاتا ہے۔ حضرت اقدس تھانوی رحمہ اللہ کے ایک خلیفہ تھے، جن کا نام بابا نجم الحسن تھا، وہ اس کا نقشہ یوں کھینچتے ہیں:

ع اگر سجدے میں سر رکھ دوں زمیں کو آسماں کر دوں

بس سجدے میں سر رکھو اور اللہ کریم کے پاس پہنچ جاؤ، ملاقات ہو جائے گی۔ میں نے عرض کیا کہ وہ جو ملاقات تھی اس میں ایک کمان یا دو کمان کا فاصلہ تھا اور یہاں پیارے آقا ﷺ فرما رہے ہیں کہ جب بندہ سجدے میں سر رکھ دیتا ہے تو سارے فاصلے ختم، وہ اللہ کے قدموں تک پہنچ جاتا ہے۔ یہ معراج کی انتہا ہے۔ اللہ کریم ہمیں ان سجدوں کی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ میں سمجھتا ہوں وہ لوگ بڑے ناواقف بلکہ محروم ہیں جو تراویح کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ محبوب سے ملاقات کو بوجھ سمجھتے ہیں۔ بیس رکعت تراویح نہیں پڑھی جاتی۔ اور ان میں بعض ایسے بھی ہوتے ہیں جو 8 پڑھ کر بھاگ رہے ہوتے ہیں، بعض 12 پڑھ کر بھاگ رہے ہوتے ہیں، پھر میں تو یہی کہوں گا کہ ان کو اس نعمت کی لذت کا پتہ ہی نہیں۔

ع لطفِ مے میں تجھ سے کیا کہوں زاہد! ہائے کمبخت تو نے پی ہی نہیں

شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی رحمہ اللہ کا ملفوظ:

جن بزرگوں نے یہ پی لی ہے ان کو یہ لذت آشنائی حاصل ہے۔ مغلیہ سلطنت کے ایک بزرگ گزرے ہیں شاہ فضل الرحمان گنج مرادآبادی، بڑے مشہور بزرگ تھے۔ مجذوب قسم کے تھے۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی ان سے ملاقات ہوئی۔ وہ بوڑھے تھے، حضرت جوان تھے۔ یہ آج سے تقریباً سو سال پہلے کی بات ہے۔ جب ملاقات ہوئی تو حال احوال پوچھنے لگے۔ حضرت شاہ فضل الرحمٰن گنج مرادآبادی فرمانے لگے: اشرف علی! کیا پوچھتے ہو۔ اب تو جب سجدے میں سر رکھتا ہوں تو قسم بخدا! یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اللہ کریم نے مجھ سے پیار کرلیا ہے۔ ماں جب اپنے بچے سے پیار کرتی ہے، بوسہ لیتی ہے تو اسے کتنا لطف آتا ہے۔ تو جن کو اللہ تعالیٰ لذت عطا کردیتے ہیں، ان کو سجدے سے سر اٹھانا مشکل ہوجاتا ہے، اللہ کریم ہمیں بھی سجدے کی حقیقت ولذت نصیب کرے۔

4080 مقاماتِ قُرب:

یہ تراویح کے چالیس سجدے چالیس مقاماتِ قرب ہیں۔ اگر چالیس کو تیس کے ساتھ ضرب دیں تو بارہ سو سجدے بن جائیں گے۔ بارہ سو مقامات قرب اس مہینے میں نصیب ہو رہے ہیں۔ تراویح میں انسان بارہ سو مرتبہ اللہ کریم کے قدموں میں پہنچتا ہے۔ اگر پانچ وقت کی نماز ساتھ ملالیں تو چھیانوے سجدے اس کے ہوجاتے ہیں۔ چھیانوے کو تیس سے ضرب دیں تو تراویح سمیت چار ہزار اسّی (4080) سجدے بن جاتے ہیں۔ نوافل اس سے ہٹ کر ہیں۔ اس مہینے میں اتنے مقاماتِ قرب طے کرنے کا موقع ملتا ہے۔ تو اللہ کریم نے اس مہینے میں ہم پر یہ بھی کرم فرمایا کہ ہم مسلمانوں کو بڑی حد تک کسی نہ کسی درجے میں یہ مقاماتِ قرب طے کرنے کی توفیق نصیب فرمائی۔

قرآن زیارتِ خداوندی کا ذریعہ:

پھر قرآن کریم سنا، کسی نے پورا سنا، اس پر تو انعام کی حد ہی ہوگئی۔ روزے اور تراویح سے اللہ کا قرب نصیب ہوتا ہے۔ لیکن یہ جو قرآن کریم ہے اس میں تو یوں ہے جیسے محبوب کا قریب سے دیدار ہی کرلیا، یہ زیارتِ خداوندی کے قائم مقام ہے، ہمارا عقیدہ ہے کہ اللہ کریم کی زیارت اس دنیا

کی آنکھ سے نہیں ہوسکتی۔

موسیٰ علیہ السلام اور زیارتِ خداوندی:

قرآن کریم میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بارے میں ذکر ہے، کہ انہوں نے اللہ سے درخواست کی، "رَبِّ اَرِنِیْ" یااللہ! آپ مجھے اپنی زیارت کروادیجیے، تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "لَنْ تَرَانِیْ" اے موسیٰ آپ مجھے ہرگز نہیں دیکھ سکتے "(سورۃ اعراف:143) چونکہ وہ کلیم اللہ تھے، بہت ہی قربت کا تعلق تھا، تو ضد پر آگئے، اور کہا کہ نہیں میں آپ کی زیارت ہی کرنا چاہتا ہوں، جیسے بچہ پیچھے پڑجاتا ہے ایسے اللہ کریم کے پیچھے پڑگئے کہ میں آپ کی زیارت ہی کرنا چاہتا ہوں تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اگر نہیں مانتے تو کوہِ طور پہ آجانا وہاں ملاقات کریں گے، آپ کو زیارت کروائیں گے۔

حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام وہاں تشریف لے گئے، اور اپنے ساتھ بنی اسرائیل کے جو سردار تھے ان کو بھی لے گئے، جب پہاڑ پر گئے تو اللہ کریم نے اس طرح زیارت کروائی کہ چھوٹے سے سوراخ سے سوئی کے ناکے کے بقدر، اللہ جل جلالہ کی ذاتی تجلّی متوجہ ہوئی۔ قرآن کریم میں ہے "فَخَرَّ مُوْسٰی صَعِقًا" جیسے ہی تجلّی متوجہ ہوئی، موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام سرداروں سمیت وہیں غش کھاکے گرگئے، سب بے ہوش ہوگئے۔ اس لیے ہمارا عقیدہ ہے کہ اس دنیا کی آنکھ کے اندر یہ پاور ہی نہیں ہے کہ وہ اللہ کریم کی زیارت کرسکے، اللہ کریم کو دیکھ سکے۔ ہاں جب اللہ کریم ہمیں دوبارہ زندہ کریں گے، پھر ان کے اندر یہ پاور رکھیں گے کہ اللہ کریم کی ذات کی زیارت ہوسکے گی، بعض روایات میں ہے کہ جنت میں مہینے میں ایک مرتبہ اللہ تعالیٰ کی زیارت کروائی جائے گی، بعض روایات میں ہفتے بعد، بعض میں ہفتے میں دو مرتبہ، بعض میں روزانہ کا بھی ذکر ہے، لیکن بہرحال اس دنیا میں اللہ کی زیارت نہیں ہوسکتی۔

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کی بہن زیب النساء کا واقعہ:

دنیا میں اللہ تعالیٰ کی زیارت کا ایک طریقہ ہے، اس طریقے سے پہلے ایک واقعہ سنیں:

مغلیہ سلطنت کے بادشاہ گزرے ہیں اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ یہ بہت بڑے عالم اور جید مفتی بھی تھے۔ فقہ حنفی کی ایک بنیادی اور اہم کتاب ہے جسے "عالمگیریہ" کہتے ہیں، "ہندیہ" بھی کہتے ہیں، یہ انہوں نے مرتب کی تھی۔ پانچ سو مفتیان کرام کا ایک پینل بنایا تھا اور اس کے سربراہ وہ خود تھے، اور جب سارے مفتیان کرام پوری شریعت کو کھنگال کر کوئی فیصلہ کرتے تو وہ اس کتاب میں درج کرتے، یہ ان کی سلطنت کا آئین تھا، ان کی عدالتوں میں بطور آئین یہ فتاوی رائج تھا۔ میں نے اپنے بعض اساتذہ سے سنا کہ عالمگیر رحمہ اللہ اتنے بڑے عالم تھے کہ جہاں پانچ سو مفتیان کرام پھنس جاتے تھے، تو وہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کے سامنے اس مسئلہ کو پیش کرتے تھے، وہ اس مشکل کو حل کردیتے تھے۔ یہ سارا گھرانہ بڑا دین دار تھا۔ عالمگیر کی ایک بہن کا نام زیب النساء تھا یہ بھی بہت متقیہ اور پردہ دار خاتون تھی۔

اورنگزیب عالمگیر رحمہ اللہ کے زمانے میں، ایران کے بادشاہ کی زبان سے ایک دن ایسے ہی بیٹھے بیٹھے ایک جملہ نکل گیا،

"دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود" فارسی کا جملہ ہے اس کا ترجمہ یہ ہے کہ چت کبرا موتی کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا۔

عام موتی کے مقابلے میں چت کبرا موتی بہت قیمتی ہوتا ہے۔ اس نے اپنے ملک کے سارے شعراء کو آرڈر دے دیا کہ جو اس کا دوسرا جملہ بنا کر شعر مکمل کرے گا میں اسے بہت بڑا انعام دوں گا۔ سارے شعراء جمع ہو گئے، لیکن دوسرا جملہ نہ کہہ سکے۔ بات اُڑتی اُڑتی اورنگ زیب عالمگیرؒ کی ہمشیرہ زیب النساء تک پہنچی، وہ اس وقت شیشے کے سامنے آنکھ میں سرمہ ڈال رہی تھیں، اس دوران ان کی آنکھ سے ایک آنسو، سرمے سے لت پت، نیچے گرا۔ بے اختیار ان کی زبان سے نکلا:

"مگر اشک بتاں سرمہء آلود" تو پورا شعر یوں ہوگیا "**دُرِ ابلق کسے کم دیدہ موجود، مگر اشک بتاں سرمہء آلود**" ترجمہ یہ ہوا کہ "چت کبرا موتی کسی نے کم ہی دیکھا ہوگا، ہاں کسی محبوب کا وہ آنسو جو سرمے سے لت پت ہو"

اس جملے کا وزن بھی برابر ہو رہا تھا اور معنی بھی ٹھیک بن رہا تھا۔ ان کے کسی کارندے نے یہ جملہ ایران کے بادشاہ تک پہنچا دیا۔ جملہ سن کر بادشاہ تو جھوم گیا، اس نے کہا کہ اتنا قیمتی جملہ کس نے کہا ہے؟ اس کا کھوج لگاؤ، بتایا گیا کہ اورنگ زیب عالمگیر کی بہن نے یہ جملہ کہا ہے، اس نے کہا اس کو یہاں بلاؤ میں اس کو انعام دینا چاہتا ہوں، ہم یہاں مجلس سجائیں گے اس کے اندر اس شعر کی رونمائی کریں گے، اور اس کو انعام دیں گے۔ قاصد زیب النساء کے پاس گیا، یہ بڑی پردہ دار خاتون تھی، جب ان کو پیغام ملا تو انہوں نے کہا کہ میں غیر مرد کے سامنے نہیں جاتی اس لیے میں انعام لینے نہیں جاتی۔ ویسے بھی وہ شہزادی تھی، اس کو دولت کی کیا کمی۔ ایرانی بادشاہ نے کہا کہ کسی طریقے سے اسے لے کر آؤ۔ جب زیب النساء نے دیکھا کہ اصرار بڑھ رہا ہے تو اس نے ایک اور شعر لکھ دیا اور کہا کہ یہ شعر اس بادشاہ کو دے دینا:

ع در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل ہر کہ دیدنِ من میل دارد، در سخن بیند مرا

شعر کا مطلب یہ تھا کہ میں اپنے کلام کے اندر ایسے چھپی ہوئی ہوں، جس طرح پھول کی پتیوں میں اس کی خوشبو چھپی ہوئی ہوتی ہے، جو مجھے دیکھنا چاہتا ہے بس وہ میری کلام کو دیکھ لے۔ یہ سن کر بادشاہ نے ان کا انعام بھیج دیا۔

دیکھیے! اللہ کی اس بندی کو اپنے کلام پر یہ مان ہے کہ جو مجھے دیکھنا چاہتا ہے وہ میری کلام دیکھ لے تو میں نظر آجاؤں گی، تو جو اللہ ساری کلاموں کے بادشاہ ہیں، عادات الملوک ملوک العادات، کلام الملوک ملوک الکلام، بادشاہوں کا کلام بھی کلاموں کا بادشاہ ہوتا ہے، تو یہ جو اللہ کریم کی کلام ہے جس کو آپ نے مکمل کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ اگر دنیا میں اللہ کو دیکھنا چاہتے ہو، اللہ کی زیارت کرنا چاہتے ہو تو اس کلام اللہ میں خدا کو دیکھ سکتے ہو۔

اللہ تعالیٰ زمان ومکان سے پاک ہے:

جتنے دھیان اور توجہ سے آپ اس قرآن کریم کی طرف آؤ گے، اسے پڑھو گے، آپ کو نظر آنا شروع ہو جائے گا کہ اللہ کی ہستی کیسی ہے، ویسے تو وہ مکان سے پاک ہے، زمانوں سے پاک

ہے، وہ کسی جگہ سما نہیں سکتے، وہ اس کائنات میں ایسے سمائے ہوئے ہیں جیسے روح بدن کے اندر، بس اس مثال سے کچھ حقیقت سمجھ میں آسکتی ہے، جیسے پاؤں کے ناخن سے لے کر سر کے بالوں تک انسان میں روح تو ہوتی ہے لیکن نظر نہیں آتی، آج تک کبھی کسی نے روح دیکھی نہیں ہے، لیکن یہ ضرور دیکھا ہے کہ روح نکل گئی، لیکن روح کا وجود کسی نے نہیں دیکھا، ایسے اللہ کریم کی ہستی اس پوری کائنات میں سرایت کیے ہوئے ہے، لیکن اس دنیا میں کسی نے آنکھوں سے دیکھا نہیں۔ حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ فرماتے ہیں:

؎ تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
میں سمجھ گیا یارب! تیری پہچان یہی ہے

دل شکستہ ہو تو عظیم تر ہے:

دل تو مانتا ہے کہ مالک موجود ہے، آپ کلام پڑھیں گے وہاں نظر آئے گا، سجدے میں جائیں گے وہاں نظر آئے گا، لیکن ان کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ دل میں تو آتے ہیں اور وہ بھی ٹوٹے ہوئے دل میں۔ ٹوٹے ہوئے دل میں اللہ کریم بہت جلد آجاتے ہیں، حدیث قدسی ہے کہ میں ٹوٹے دلوں میں رہتا ہوں۔ اللہ کریم دل میں آجاتے ہیں لیکن ان کو کوئی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔ اللہ کریم ہمیں وہ آنکھیں عطا کرے کہ ہم اس کلام سے باری تعالیٰ کی زیارت کرسکیں۔

قُربت بہت بڑی دولت ہے:

آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ قربتوں کا سلسلہ چل رہا ہے۔ رمضان قربت کا ذریعہ، روزہ قربت کا ذریعہ، تراویح قربت کا ذریعہ، پھر کلام اللہ قربت کا ذریعہ ہے۔ اور جب قربت نصیب ہوجائے اس کے سامنے دنیا جہان کی ساری قربتیں ہیچ ہیں، جس کو یہ دولت مل جائے، اسے دنیا کی کسی اور دولت کی خواہش نہیں ہوتی، پھر اس کے بعد کسی اور دولت کی تمنا اس کے دل میں نہیں رہتی۔

فرعونی جادوگروں کا انعام:

فرعون نے موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے جادوگروں کو تیار کیا تھا، جادوگروں نے کہا کہ اگر ہم جیت گئے تو آپ ہمیں انعام کیا دیں گے؟ فرعون نے کہا: ''وَاِنَّكُمْ اِذًا لَّمِنَ

الْمُقَرَّبِیْنَ" (سورۃ شعراء:42) تم میرے مقربین میں شامل ہو جاؤ گے، سارے جادوگر اس پر راضی ہو گئے کہ بس بادشاہ سلامت کا قرب ہمیں نصیب ہو جائے، سب کچھ ہمیں مل جائے گا، وہ جادوگر تو سمجھدار تھے کہ دنیا کے بادشاہ کی قربت کو سب کچھ سمجھ رہے ہیں، اور اس کے بعد انہوں نے کسی اور چیز کا مطالبہ نہیں کیا۔ کہ جب قربت نصیب ہوگی تو سب کچھ مل جائے گا۔ لیکن آج کا مسلمان اس کو قیمتی نہیں سمجھتا، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ جس کو اللہ جل جلالہ کا قرب مل جائے اُسے دنیا جہان کی ساری دولتیں مل جائیں گی۔ اس سے متعلق ایک واقعہ بھی ہے۔

سُبکتگین بادشاہ کی بیویوں کا واقعہ:

خراسان کے بادشاہ سبکتگین نے چار شادیاں کی ہوئی تھیں، تین شادیاں تو اس نے شاہی خاندان میں، اعلیٰ حسب نسب کی خواتین سے کی تھیں، اور ایک شادی کسی کمزور، غریب خاندان میں کر لی، یوں سمجھیں کسی حبشی خاندان میں کر لی، یہ بیگم، نین نقش کے اعتبار سے زیادہ خوبصورت نہیں تھی، باقی بیگمات بہت زیادہ خوبصورت تھیں، لیکن جو کمزور، غریب خاندان کی تھی بادشاہ کی نظرِ کرم ہمیشہ اس کی طرف رہتی تھی، اس کے کچھ خاص ایسے اخلاق تھے، کہ بادشاہ کے دل کو کھینچتے تھے۔ دوسری بیگمات جیلس ہوتی تھیں، کہ ہم مالدار بھی ہیں خوبصورت بھی ہیں، بادشاہ پھر بھی اسی کی طرف زیادہ توجہ رکھتا ہے۔

باشاہ سمجھدار تھا، اس نے اپنی بیگمات کو سمجھانے کے لیے ایک تدبیر سوچی۔ اپنے خادم سے کہا کہ میری سلطنت میں عورتوں سے متعلق جتنی عمدہ چیزیں ہیں، ساری لاؤ، اور ایک کمرے میں چن دو۔ چنانچہ خادم نے اس کی سلطنت سے جتنے ہیرے، جوہرات اور سونے چاندی کے زیورات تھے، کپڑے، جوتے، جیولری وغیرہ، خواتین سے متعلق جتنی چیزیں تھیں ساری اچھی اچھی جمع کیں اور کمرے کے اندر سجا دیں۔ بادشاہ نے کہا کہ میری بیگمات کو بلاؤ، بیگمات کو بلا کر لائے۔ خادم سے کہا کہ تم چلے جاؤ۔ بس وہاں چاروں بیگمات ہیں اور بادشاہ سلامت موجود تھے۔ بادشاہ نے کہا کہ ہر شوہر اپنی بیگمات کو گفٹ دیا کرتا ہے، میں نے بھی تمہیں گفٹ دینا تھا تو میں نے سوچا کہ عورتوں سے

متعلق جتنی اچھی چیزیں ہیں، یہاں لگادوں۔ لہٰذا اس کمرہ میں تم کو جو پسند ہو اپنی مرضی سے لے لو۔

جو اعلیٰ حسب نسب کی تین خواتین تھیں، انہوں نے یہ بات سنی تو وہ تینوں بیگمات فوراً جھپٹیں، ہیرے کی جیولری، عمدہ کپڑے، جوتے اور سب اچھی اچھی چیزوں کو اپنی بغل میں دبالیا، چند منٹوں میں ان تینوں نے سب کچھ سمیٹ لیا۔ جو خاتون زیادہ خوب صورت نہیں تھی، وہ ایسے ہی چپ چاپ کھڑی رہی۔ جب انہوں نے سب کچھ سمیٹ لیا اور دیکھا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو بادشاہ سلامت کی نظروں سے اس کو گرانے کے لیے کہنے لگیں: بادشاہ سلامت! ہم نہ کہتی تھیں کہ یہ بے وقوف ہے، پگلی ہے، اس کو تو اتنی بھی عقل نہیں ہے کہ آپ جو گفٹ دے رہے ہیں، اس کی قدر کرے۔ ایسے ہی پاگلوں کی طرح کھڑی ہے۔

بادشاہ سلامت نے اس سے پوچھا کہ آپ نے کوئی چیز کیوں نہ لی؟ وہ بڑے معصومانہ انداز میں کہنے لگی: بادشاہ سلامت! آپ نے یہی فرمایا کہ اس کمرے میں جس کو جو چیز پسند ہے، وہ لے لے؟؟ بادشاہ نے کہا: ہاں میں نے یہی کہا ہے۔ تو کیا تمہیں کوئی چیز پسند نہیں آئی؟ اس نے کہا: بادشاہ سلامت! نہیں نہیں، بات یہ نہیں کہ مجھے کچھ پسند نہیں آیا بلکہ بات یہ ہے کہ آپ نے یہی فرمایا ہے کہ اس کمرے میں جس کو جو چیز پسند ہے، لے لے؟؟ بادشاہ نے کہا: ہاں میں نے یہی کہا ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھایا اور بادشاہ کے کندھے پر رکھ دیا اور کہا کہ مجھے تو آپ ہی پسند ہیں۔ بادشاہ سلامت نے ان بیگمات کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا اور کہا: تم میں اور اس میں یہی فرق ہے۔ اس کو ہماری قربت پر فخر ہے اور تمہاری نظر میرے مال پر ہے۔

اس پر میں عرض کرتا ہوں کہ اللہ کریم ہمیں اس بادشاہ کی پگلی بیوی جیسی عقل عطا کردے کہ وہ درحقیقت پگلی نہیں، سب سے عقل مند تھی۔ اس نے یہ سوچا کہ جب بادشاہ سلامت میرے ہیں، ان کا دل میرا ہے تو ان کی سلطنت میں جو بھی چیزیں ہیں، ساری کی ساری میری ہیں۔ اگر بادشاہ اور ان کا دل میرا نہیں ہے تو ان چیزوں کی کیا حقیقت ہے۔ ان کا کیا لطف اور کیا مزہ ہے۔ اسی پر ہمارے کراچی والے حضرت ایک بڑا خوب صورت شعر پڑھا کرتے تھے:

ع اگر اک تو نہیں میرا تو کوئی شے نہیں میری جو تو میرا تو سب میرا، فلک میرا زمیں میری

یعنی ایک عارف کہتا ہے کہ اے اللہ! اگر آپ میرے نہیں ہیں تو کوئی چیز میری نہیں ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب اللہ تعالیٰ ناراض ہوتے ہیں تو کوئی چیز انسان کی اپنی نہیں ہوتی۔ نہ اس کی اولاد اپنی، نہ مال اپنا، نہ برادری اپنی، نہ تعلقات اپنے۔ اور جب اللہ انسان کا ہو جاتا ہے تو یہ ساری مخلوق اس کے جوتے سیدھے کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ سب کو اسی کا بنا دیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا نہیں ان محبت والوں کو اور ان اہل اللہ کو؟ کہ ظاہر میں ان کے پاس کچھ دنیا نظر نہیں آتی لیکن ساری دنیا ان کے جوتے سیدھے کرتی ہے۔ اس لیے کہ وہ (اللہ تعالیٰ) ان کے ہو چکے ہوتے ہیں۔ کاش اللہ کریم ہمیں بھی یہ عقل عطا فرمائیں کہ ہم رمضان میں زیادہ سے زیادہ قربتیں حاصل کر سکیں۔ وہ شخص کتنا بد نصیب ہوگا کہ رمضان گزر جائے اور اسے قربت نصیب نہ ہو۔

جبریل علیہ السلام کی بددُعا اور حضور ﷺ کی آمین:

پھر جبریل علیہ السلام کی وہ بددُعا اور حضور ﷺ کی اس پر آمین کی حقیقت سمجھ آجاتی ہے۔

آپ ﷺ نے پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا آمین، دوسری پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین، تیسری پر قدم رکھا تو پھر فرمایا آمین۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا: یارسول اللہ! آج خلافِ معمول آمین سنی جارہی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے جب پہلی سیڑھی پر قدم رکھا تو جبریل میرے پاس آئے اور کہا کہ جو شخص رمضان کا مہینہ پالے، پھر بھی اس کی بخشش نہ ہوسکی، اللہ اس کو تباہ کرے۔ پھر جب میں نے دوسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: کہ جس شخص کے پاس آپ کا ذکر کیا جائے اور وہ آپ پر دُرود پاک نہ پڑھے تو اللہ اس کو بھی تباہ کرے۔ پھر جب میں نے تیسری سیڑھی پر قدم رکھا تو فرمایا: جو آدمی اپنے والدین میں سے دونوں کو یا کسی ایک کو پائے، پھر بھی وہ اُس کو جنت میں داخل نہ کرواسکیں، اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھی تباہ و برباد کردے۔ میں نے کہا آمین۔ (المستدرک للحاکم: 80/5، قدیمی)

بددعا فرشتوں کے سردار کی اور آمین دونوں جہانوں کے سردار کی۔ تو یہ کیسے قبول نہ ہوگی۔

ع
آمین کہہ رہے ہیں وہ میری دعا کے ساتھ　　　اب بھی نہ ہو قبول تو مقدر کی بات ہے

آپ کہیں گے کہ رحمۃ للعالمین کے دل سے کیسے یہ بددعا نکل گئی۔ اب حقیقت سمجھ میں آتی ہے کہ رمضان کی دولت دی، روزے کی دولت دی، تراویح اور قرآن کی دولت دی، پھر بھی تم اپنی بخشش نہ کرواسکے، اب بھی وہاں سے رحمت کی امید رکھتے ہو؟؟؟ اس نے اس مہینے میں تو مغفرت کے بہانے در بہانے بنادیے۔ پھر گلے شکوے کیسے۔؟؟؟

ع
تجھ سے کیا ضد تھی، اگر کسی قابل ہوتا　　　اس کے تو الطاف ہیں عام شہیدی سب پر

اگر تو نے کوئی قدم بڑھایا ہوتا، کوئی جذبہ دکھایا ہوتا، ان کے لیے تھوڑی سی محنت کی ہوتی، اپنی قبر کے لیے کچھ کیا ہوتا، تو ایسا نہیں ہوسکتا تھا کہ وہ تمہیں بغیر بخشش کے چھوڑ دیتے۔ لیکن تو کچھ بھی نہ کرسکا اور رمضان کا یہ مبارک مہینہ بھی غفلت میں گزر گیا۔ نہ روزہ رکھ سکا، نہ تراویح پڑھ سکا، نہ قرآن سن سکا، نہ پڑھ سکا، نہ نفل پڑھ سکا، نہ نماز کے لیے وقت نکال سکا اور پھر کہتا ہے کہ مجھے حضور کی شفاعت نصیب ہوجائے گی۔ اللہ کی رحمت جوش میں آکر مجھے بخش دے گی۔ یہ فیصلے انہی کے ہیں کہ بددعا ہے جبریل کی اور آمین ہے حضور نبی کریم ﷺ کی۔ اس سے ساری حقیقت کھل کر سامنے آگئی۔

لہذا میرے بھائیو! خوب سوچ لیں کہ اگر ہم سے رمضان میں کوئی کوتاہی ہوگئی ہے تو اب بھی چند دن باقی ہیں۔ اس کی تو ایک گھڑی بھی بخشش کے لیے کافی ہے۔ ندامت کا ایک آنسو بہا لیجیے۔ ابھی ہاتھ اٹھا کر اقرار کر لیجیے کہ یا اللہ! میں کچھ نہ کرسکا، میں بدنصیب ہوں، سیاہ کار ہوں، بد کردار ہوں، یا اللہ! مجھ سے بڑا ذلیل اس دنیا میں اور کوئی نہیں۔ اے باری تعالیٰ! میں آپ کے دَر پر آیا ہوں، جو رمضان باقی ہے، اس کی ہر ہر گھڑی کی قدر کروں گا۔ مجھے گزشتہ غلطیوں پر معاف فرمادے۔ اب میری بخشش کردے، تب بھی بخشش ہوجائے گی۔ اب بھی وقت ہے۔ اب ہم اللہ کے حضور ہاتھ اٹھاتے ہیں کہ کتنے ہی اللہ کے نیک بندے یہاں ہوں گے۔ ایک دوسرے کی برکت سے ضرور اللہ کریم ہماری مغفرت فرمادیں گے۔

اللہ تعالیٰ توفیق عمل عطا فرمائیں۔ آمین

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ.